اشارات

اسلام کے متعلق مسٹر جارج برنارڈ شا کے خیالات جرائد میں شائع ہو چکے ہیں، حال میں جب انہوں نے مشرق کا سفر کیا تو اس کے دوران میں سنگاپور کے عربی اخبار المہدی کا نامہ نگار ان سے ملا اور اس سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے پھر ایک مرتبہ اسلام کی خوبیون کا اعتراف کیا۔ انہوں نے کہا کہ اسلام آزادی دستوری و ذہنی حریت کا دین ہے، اجتماعی نقطہ نظر سے مسیحیت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، کسی مذہب کا نظام اجتماعی اتنا مکمل نہیں ہے جتنا اسلام کا نظام ہے۔ دنیائے اسلام کا تنزل اسلام سے دور ہٹ جانے کی بدولت ہے مسلمان جب صرف اسلام کی بنیادوں پر جد و جہد کریں گے تو عالم اسلامی کا خواب بیداری سے بدل جائیگا۔

ان خیالات کے سننے کے بعد نامہ نگار نے سوال کیا کہ جب آپ اسلام کو اچھا سمجھتے ہیں تو پھر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیوں نہیں کر دیتے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو فطری طور پر ان بیانات کے بعد پیدا ہوتا ہے کیونکہ ایک سلیم الطبع آدمی کے لئے کسی چیز کے اعتراف قبح اور اس کے ترک اور کسی چیز کے اعتراف حسن اور اس کے قبول و تسلیم کر لینے میں کوئی حد فاصل نہیں ہے لیکن مسٹر شا نے جو کچھ جواب یا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قبول اسلام کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اور ایسا نہ کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ صرف اس چیز کی کمی ہے جس کو شرح صدر کہتے ہیں۔

ایک مسٹر شا ہی پر موقوف نہیں ہے بہت سے اہل فکر و نظر پہلے بھی گذر چکے ہیں، اور اب بھی موجود ہیں جنھوں نے اسلام کی خوبیوں کا اعتراف کیا، اس کے دنیوی یا دینی یا دونوں حیثیتوں سے مفید

ہونے کا اقرار کیا، اس کی تہذیب، اس کے نظام اجتماعی، اس کی علمی صداقت اور اس کی عملی قوت کی برتری تسلیم کی مگر جب ایمان لانے اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو جانے کا سوال سامنے آیا تو کسی چیز نے ان کو قدم آگے بڑھانے سے روک دیا، اور وہ اسلام کی سرحد پر پہنچ کر ٹھیر گئے۔

برعکس اس کے بہت سے ایسے آدمی بھی ہو گذرے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ اسلام کی مخالفت اور اس کی دشمنی میں صرف کر دیا لیکن اسی مخالفت کے سلسلہ میں اسلام کا مطالعہ کرتے ہوئے حقیقت اسلام ان پر منکشف ہوگئی۔ اور اس انکشاف کے بعد کوئی چیز ان کو ایمان لانے سے روک نہ سکی

حقیقت یہ ہے کہ ہدایت وضلالت کا راز بھی ایک عجیب راز ہے ایک ہی بات ہے جو ہزاروں آدمیوں کے سامنے کہی جاتی ہے۔ مگر کوئی تو اس کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا۔ کوئی توجہ کرتا ہے لیکن وہ اس کے پردہ گوش پر سے اچٹ کر چلی جاتی ہے۔ کوئی اس کو سنتا اور سمجھتا ہے۔ مگر مانتا نہیں۔ کوئی اس کی تعریف وتحسین کرتا ہے مگر قبول وتسلیم نہیں کرتا۔ اور کسی کے دل میں وہ گھر کر جاتی ہے اور وہ اسکی صداقت پر ایمان لے آتا ہے۔

ہمارا شب و روز کا مشاہدہ ہے کہ ایک شخص کو بازار میں چوٹ لگ کر گرتے ہوئے سینکڑوں آدمی دیکھتے ہیں بہت سے اس کو ایک معمولی واقعہ سمجھ کر دیکھتے ہوئے گذر جاتے ہیں بہتوں کے دل میں رحم آتا ہے۔ مگر وہ افسوس کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں بہت سے اس کا تماشہ دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں اور بعض اللہ کے بندے ایسے نکلتے ہیں جو بڑھ کر اسے اٹھاتے ہیں اس سے ہمدردی کرتے ہیں اور اس کو مدد پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں اسی طرح ایک مجرم کو پابزنجیر لیجاتے ہوئے بہت سے آدمی دیکھتے ہیں۔ کوئی اس کی طرف التفات ہی نہیں کرتا۔ کوئی اس پر حقارت کی نظر ڈالتا ہے کوئی اس پر ترس کھاتا ہے۔ کوئی اس کی ہنسی اڑاتا ہے کوئی اس کے انجام پر خوش ہوتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ جیسا کیا ویسا بھرا۔ اور کوئی اس کے انجام سے عبرت حاصل کرتا ہے اور جرم سے بچنے کی خواہش اس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ تو مختلف لوگوں کی مختلف نفسی کیفیات و تاثرات ہیں، جن کا اختلاف زیادہ تعجب خیز نہیں اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ ایک ہی شخص کے تاثر اور اس پر ایک ہی چیز کے اثر کی نوعیت مختلف اوقات میں مختلف ہوتی ہے۔ وہی ایک بات ہے جس کو ایک شخص ہزاروں مرتبہ سنتا ہے اور نہیں مانتا، مگر ایک ایسا موقع آتا ہے کہ یکایک اس کے دل کا بند کھل جاتا ہے۔ جو بات کان کے پردہ میں اٹک کر رہ جاتی تھی وہ سیدھی دل تک پہنچ جاتی ہے۔ اور وہ خود حیران ہوتا ہے کہ یہی بات میں پہلے بھی بارہا سن چکا ہوں، پھر آج یہ کیا ہو گیا کہ یہ خود بخود دل میں اتری چلی جارہی ہے؟ ایک ہی شخص کو بارہا آفت رسیدہ آدمیوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے اور وہ ان کی طرف التفات بھی نہیں کرتا۔ لیکن ایک موقع پر کسی شخص کی مصیبت دیکھکر دفعۃً اس کا دل بھر آتا ہے۔ شقاوت کا پردہ چاک چاک ہو جاتا ہے۔ اور وہ سب سے زیادہ ہمدرد، رحیم اور نرم دل بن جاتا ہے۔ ایک شخص کو اپنی عمر میں بے شمار عبرت ناک مناظر دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے کبھی وہ ان کو تماشا سمجھ کر دیکھتا ہے کبھی ایک حسرت و افسوس کی نگاہ ڈالتا ہے، اور کبھی ایک معمولی منظر سے اس پر ایسا اثر پڑتا ہے کہ دل پر ایک مستقل نقش بیٹھ جاتا ہے۔

یہی حال ہدایت و ضلالت کا بھی ہے۔ وہی ایک قرآن تھا۔ وہی ایک اس کی تعلیم تھی، وہی ایک اس کو سنانے والی زبان تھی۔ ابو جہل اور ابو لہب تمام عمر اس کو سنتے رہے مگر کبھی وہ ان کے کانوں سے آگے نہ بڑھ سکا۔ خدیجۃ الکبریٰؓ۔ ابو بکرؓ۔ اور علیؓ ابن ابی طالب نے سنا اور پہلے ہی لمحہ میں اس پر ایمان لے آئے، بغیر اس کے کہ ان کے دل میں شک کا شائبہ بھی گذرتا۔ عمرؓ ابن الخطاب نے بیسیوں مرتبہ اس کو سنا اور صرف یہی نہیں کہ تسلیم نہ کیا بلکہ جوں جوں سنتے رہے مخالف اور دشمن ہوتے چلے گئے لیکن ایک مرتبہ انہی کانوں نے اس چیز کو سنا تو کان اور دل کے درمیان جتنی مضبوط دیواریں حائل تھیں یکایک

منہدم ہوگئیں اور اس چیز نے ان کے دل میں ایسا اثر کیا کہ ان کی زندگی کی بالکل کایا پلٹ دی۔

ہرچند نفسی نقطۂ نظر سے اس اختلاف کیفیت اور اختلاف اثر و تاثر کی بہت سی توجیہیں کی جاسکتی ہیں۔ اور وہ سب اپنی اپنی جگہ درست بھی ہیں۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جو چیز چشم و گوش اور دل و دماغ کے درمیان کہیں ایک مستقل حجاب بن جاتی ہے کہیں ایک مدت تک حجاب بنتی ہے اور ایک نفسی موقع پر خودبخود چاک ہو جاتی ہے کہیں سرے سے حجاب بنتی ہی نہیں کہیں کسی بات سے حجاب بنتی ہے۔ اور کسی بات کے لئے نہیں بنتی، وہ ہرگز انسان کے ارادہ و اختیار کے تابع نہیں ہے، بلکہ فطری و جبلی طور پر خودبخود انسان میں پیدا ہوتی ہے۔

یہی نکتہ ہے جس کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۶ : ۱۵)۔

اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ رکھنا چاہتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ کرتا اور ایسا بھینچتا ہے کہ گویا وہ آسمان پر چڑھا چلا جارہا ہے۔ یہ طریقہ ہے جس سے ایمان نہ لانے والوں پر اللہ کی طرف سے ناپاکی مسلط کی جاتی ہے۔

ایک اور موقع پر اس کو یوں ادا کیا گیا ہے کہ:۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (۱۶ : ۱۳)۔

اگر خدا چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، مگر وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔

پھر اس ہدایت کی کیفیت کو یوں بیان کیا ہے کہ:۔

قُلْ اِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ اَنَابَ (۱۳: ۲۷) - ان سے کہو کہ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔

اور ضلالت کی کیفیت اس طرح بیان کی ہے کہ:-

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَکَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا وَّجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِھِمْ اَکِنَّۃً اَنْ یَّفْقَھُوْہُ وَفِیْٓ اٰذَانِھِمْ وَقْرًا (۱۷: ۵) - جب تم نے قرآن پڑھا تو ہم نے تمہارے اور آخرت کا یقین نہ رکھنے والوں کے درمیان ایک گاڑھا پردہ ڈال دیا اور ان کے دلوں پر غلاف چڑھا دیے کہ قرآن نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی

ان آیات میں اس فطری کیفیت کو جو ایک حق بات سن کر اسے قبول کر لینے کے لئے اضطراری طور پر دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اور جو آخر کار انسان کو ایمان کی طرف کھینچ لاتی ہے۔ خدائی ہدایت اور اس کے پیدا ہونے کو "شرح صدر" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اس ہدایت کے برعکس انسان کے دل میں حق سے انکار اور اعراض کرنے پر آمادگی کی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے، اس کو اللہ کی طرف سے مسلط کی ہوئی گمراہی قرار دیا گیا ہے اور "شرح صدر" کے مقابل جو انقباضی کیفیت دل میں پیدا ہوتی ہے اسے ضیق صدر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر اس "ہدایت" و "ضلالت" اور "شرح صدر" و "ضیق صدر" کے پیدا ہونے کا سبب یہ بتایا ہے کہ انسان جب ایک مرتبہ خدا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو اس کو خود بخود وہ راستہ دکھائی دینے لگتا ہے جو اسے سیدھا خدا کی جانب لے جاتا ہے۔ اور جو شخص سرے سے یہ احساس ہی نہیں رکھتا کہ مجھے کبھی خدا کے حضور میں حاضر ہونا اور اپنے قلب و جوارح کے افعال کا حساب دینا ہے اس کو لاکھ کوئی شخص کلمۂ حق سنائے اور وعظ و تلقین کرے کوئی بات اس کے دل میں نہیں اترتی، اور وہ کسی طرح راہ راست پر

نہیں آتا۔

یہاں پھر دو باتیں مل گئی ہیں جن کو الگ الگ سمجھ لینے سے قرآن مجید کے وہ مقامات آسانی
حل ہو جاتے ہیں جن میں یہ مضمون مختلف پیرایوں سے بیان کیا گیا ہے۔

ایک طرف ہدایت و شرح صدر اور ضلالت و ضیق صدر کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ کی طرف
منسوب کیا ہے۔ دوسری طرف اس ہدایت و شرح صدر کے عطا کرنے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ
انسان خدا کی طرف رجوع اور توجہ کرے۔ اور ضلالت و ضیق صدر کے مسلط کر دینے کا سبب یہ بتایا ہے
کہ گمراہ شخص خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور اس کے سامنے مسئول و جواب دہ ہونے کا احساس نہیں رکھتا

ان دونوں چیزوں کے باہمی تعلق کو یوں سمجھو کہ انسان کی فطرت میں خدا نے ایک ایسی قوت
رکھ دی ہے جو اس کو حق و باطل کے امتیاز اور صحیح و غلط کا فرق سمجھنے میں مدد دیتی ہے اور اس کے ساتھ ہی اسے
حق کی طرف بڑھنے اور باطل سے احتراز کرنے پر مائل کرتی ہے یہی قوت وہ فطری ہدایت ہے جسے خدا اپنی طرف
منسوب کرتا ہے اور جس کی طرف ارشاد خداوندی فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا میں اشارہ
کیا گیا ہے اس کے خلاف ایک اور قوت بھی انسان میں کام کر رہی ہے جو اس کو برائی کی طرف کھینچتی غلطی
اور کج روی کی طرف مائل کرتی اور جھوٹ اور باطل کو اس کے سامنے مزین کر کے پیش کرتی ہے ان دونوں
کے ساتھ بہت سی خارجی اور داخلی قوتیں ایسی ہیں جن میں سے بعض ہدایت کی قوت کو مدد پہونچانے والی
ہوتی ہیں۔ اور بعض ضلالت کی قوت کو اکتساب علم اور اس کے مختلف مدارج تربیت اور اس کی مختلف
کیفیات، سوسائٹی اور اس کے مختلف احوال وہ چیزیں ہیں جو باہر سے اس پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ترازو
کے دونوں پلڑوں میں سے کسی ایک میں کم و بیش دونوں میں اپنا وزن ڈالتی رہتی ہیں۔ اور انسان کا اپنا
اختیار تمیزی، اپنی فہم و فراست، اپنی عقل و بصیرت، اپنے ذرائع اکتساب علم سے صحیح یا غلط کام لینا

اور اپنی قوت فیصلہ کو بجا یا بیجا استعمال کرنا، وہ چیز ہے جو خود اس کے ارادہ کے تابع ہے اور جس سے وہ ہدایت وضلالت کی متضاد قوتوں کے مقتضیات کے درمیان فیصلہ کرتا ہے۔

اب ہوتا یہ ہے کہ خدا کی بخشی ہوی ہدایت اور اس کی مسلط کی ہوی ضلالت دونوں ایک غیر محسوس طور پر اپنا عمل کرتی رہتی ہیں۔ ہدایت کی قوت اسے راہ راست کی طرف لطیف اشارے کیا کرتی ہے۔ اور ضلالت کی قوت اسے باطل کے ملمع پر رجھائے جاتی ہے مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان غلط اثرات سے متاثر ہوکر اور خود اپنی اختیاری قوتوں کو غلط طریقے سے استعمال کر کے ضلالت کے پھندے میں گرفتار ہوجاتا ہے اور ہدایت کی پکار پر کان ہی نہیں دھرتا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ غلط راستے پر چل رہا ہوتا ہے، اور اس دوران میں کچھ بیرونی اثرات اور کچھ خود اس کی ذہنی عقل وبصیرت دونوں مل جل کر اسے گمراہی سے بیزار کر دیتے ہیں۔ اور اس وقت ہدایت کی وہی روشنی جو پہلے مدہم تھی دفعتاً تیز ہوکر اس کی آنکھیں کھول دیتی ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک مدت تک انسان ہدایت اور ضلالت کے درمیان مذبذب رہتا ہے کبھی ادھر کھنچتا ہے، کبھی اُدھر، قوت فیصلہ اتنی قوی نہیں ہوتی کہ بالکل کسی ایک طرف کا ہوجائے بعض بدقسمت اسی تذبذب کے عالم میں دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں۔ بعض کا آخری فیصلہ ضلالت کے حق میں ہوتا ہے اور بعض ایک طویل کشمکش کے بعد ہدایت الٰہی سے آشنا ہو پالیتے ہیں مگر سب سے زیادہ خوش قسمت وہ سلیم الفطرت صحیح القلب اور سدید النظر لوگ ہوتے ہیں جو خدا کی دی ہوی عقل، اس کی عطا کی ہوی آنکھوں، اس کے بخشے ہوے کانوں اور اس کی ودیعت کی ہوئی قوتوں سے ٹھیک ٹھیک کام لیتے ہیں مشاہدات اور تجربات سے درست نتائج اخذ کرتے ہیں آیات الٰہی کو دیکھ کر ان سے صحیح سبق حاصل کرتے ہیں، باطل کی زینت ان کو رجھانے میں ناکام ہوتی ہے جھوٹ کا فریب ان کو اپنا گرویدہ نہیں بنا سکتا، ضلالت کی کج راہیوں کو دیکھتے ہی وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ آدمی کے

چلنے کے قابل نہیں ہیں۔ پھر جونہی کہ وہ حق کی طرف رجوع کرتے اور اس کی طلب میں آگے بڑھتے ہیں حق خود ان کے استقبال کو آتا ہے۔ ہدایت کا نور ان کے سامنے چمکنے لگتا ہے، اور حق کو حق سمجھ لینے، اور باطل کو باطل جان لینے کے بعد پھر دنیا کی کوئی قوت ان کو راہ راست سے پھیرنے، اور گمراہی کی طرف لگانے میں کامیاب نہیں ہوتی۔

ایک اور بات بھی اس سلسلہ میں قابل بیان ہے، اور ضرورت ہے کہ مسلمان اس کو ذہن نشین کرلیں عام طور پر جب غیر مسلم مشاہیر کی جانب سے اسلام کے متعلق کچھ اچھے خیالات کا اظہار ہوتا ہے تو مسلمان بڑے فخر سے ان خیالات کو شہرت دیتے ہیں گویا ان کا اسلام کو اچھا سمجھنا اسلام کی خوبی کے لئے کوئی گراں قدر شہادت ہے لیکن یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہئے کہ اسلام کی صداقت وحقانیت اس سے بے نیاز ہے کہ کوئی اس کا اعتراف کرے جس طرح آفتاب کا روشن ہونا اس کا محتاج نہیں کہ کوئی اس کو روشن کہے، اور جس طرح آگ کا گرم اور پانی کا سیال ہونا اس کا محتاج نہیں کہ کوئی اس کی گرمی اور اس کے سیلان کو تسلیم کرے اسی طرح اسلام کا برحق ہونا بھی اس کا حاجتمند نہیں ہے کہ کوئی اس کے برحق ہونے کو مان لے خصوصاً ایسے لوگوں کی تحسین اور مدح تو کوئی بھی وقعت نہیں رکھتی جن کے دل انکی زبانوں کا ساتھ نہیں دیتے، اور جو خود اپنے اعراض و انکار سے اپنی مدح وتحسین کی تکذیب کرتے ہیں اگر حقیقت میں وہ اسلام کی خوبی کے معترف ہوتے تو اس پر ایمان لے آتے لیکن جب انہوں نے زبانی اعتراف کے باوجود ایمان لانے سے انکار کر دیا تو اہل عقل کی نگاہ میں ان کی حیثیت بالکل اس شخص کی سی ہے جو طبیب کی صداقت کو تسلیم کرے، اس کے تجویز کردہ نسخہ کی صحت کا اعتراف کرے، مگر اپنی بیماری کا علاج کسی عطائی طبیب سے کرائے۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ کسی بڑے سے بڑے غیر مسلم کا اعتراف بھی اسلام کے لئے قابل فخر

نہیں ہے۔ اس کے لئے ایک ہی فخر کافی ہے۔ اور وہ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ، اور رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا کا فخر ہے۔

اسی اشاعت میں جناب ذوقی شاہ صاحب کا ایک مضمون "فہم قرآن" کے عنوان سے شایع ہو رہا ہے انہوں نے اس مضمون میں ایک علمی و روحانی تربیت گاہ قائم کرنے کی تجویز پیش کی ہے جہاں ایسے سچے داعیان اسلام کی ایک مخلص جماعت طیار کی جائے جو نہ صرف علوم و معارف قرآنی کے حامل ہوں بلکہ اس کے ساتھ اخلاق فاضلہ و اعمال صالحہ سے بھی آراستہ ہوں تاکہ دنیا کے سامنے اسلامی تعلیم کا عملی نمونہ بن کر پیش ہوں اور صداقت اسلام کا سکہ دلوں پر بٹھا دیں۔

کچھ عرصہ ہوا میں نے بھی اس قسم کی ایک تجویز مجلس تحریک قرآن کی ایک ذیلی کمیٹی کے سامنے پیش کی تھی اگرچہ اتنا فرق ضرور ہے کہ وہ صوفی ہیں، انہوں نے اس کو "خانقاہ" سے موسوم کیا ہے اور میں طالب العلم ہوں، میں نے اسے مدرسہ کا نام دیا ہے لیکن اختلاف اسمی کے باوجود مسمّٰی ایک ہی ہے،

میری تجویز یہ تھی کہ ایک مدرسہ مخصوص طور پر صرف علوم قرآنی کی تعلیم کے لئے قائم کیا جائے اس میں دینیات کے فارغ التحصیل طلبہ کی ایک منتخب اور مختصر جماعت کو رکھ کر مختلف پہلوؤں سے قرآن مجید پڑھایا جائے مثلاً ایک طرف الفاظ کی تحقیق، جملوں کی ترکیب، بلاغت کے نکات، اور اسالیب بیان کا تتبع ہو۔ دوسری طرف قرآن مجید کی اس تفسیر کا مطالعہ کیا جائے جو خود رسول اکرم اور صحابہ کرامؓ اور سلف صالح نے فرمائی ہے تیسری طرف عقائد عبادات، اور معاملات کے متعلق قرآن مجید کی تعلیم اور اس کے احکام پر نظر کی جائے اور استنباط مسائل کے طریقے معلوم کئے جائیں چوتھی جانب قرآن مجید کا مطالعہ فلسفہ و کلام کے نقطۂ نظر سے کیا جائے اور ابتدا سے اب تک مختلف ادیان و ملل اور مذاہب فلسفہ کی جانب سے

قرآن مجید پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کی تحقیق کی جائے۔ اس کے ساتھ ہی ان طلباء کو علوم جدیدہ کی تعلیم بھی دی جائے تاکہ وہ زمانہ کی رفتار، زندگی کے موجودہ مسائل اور وقت کی ضروریات کو سمجھیں اور اس زمانہ کے لوگوں کی رہنمائی قرآنی تعلیمات کے مطابق کرنے کے لئے مستعد ہوں۔ پھر ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم کرکے ہندوستان اور یورپ کی مختلف زبانیں سکھائی جائیں تاکہ وہ اس ملک اور بیرونی ممالک میں اسلامی تعلیمات کی اشاعت کرسکیں۔

میرے نزدیک اس درس گاہ میں چند خصوصیات ضرور ہونی چاہئیں :-

(۱) طالب علم ایسے انتخاب کئے جائیں جو بطیب خاطر اپنی زندگی کو اسلام کی خدمت کے لئے وقف کرنے پر آمادہ ہوں۔ نیک سیرت ہوں، ذہین و طباع ہوں، اور اس سانچے میں ڈھلنے کی صلاحیت رکھتے ہوں جس میں ان کو ڈھالنا مقصود ہے۔

(۲) ایسے اساتذہ کا انتخاب کیا جائے جو نہ صرف اپنے اپنے فن میں درجہ کمال رکھتے ہوں، بلکہ اس کے ساتھ اخلاق فاضلہ سے بھی متصف ہوں تاکہ وہ اپنے شاگردوں کے سامنے صرف تلاوت آیات ہی نہ کریں، بلکہ ان کے نفوس کا تزکیہ بھی کریں۔ ان میں حکمت کی روح بھی پھونکیں، ان کے اندر ایمان کی شمع بھی روشن کریں، اور ان کو عمل صالح کا درس بھی دیں۔

(۳) علمی و روحانی تربیت کے ساتھ ان طلبہ کو مختلف قسم کی صنعتیں بھی سکھائی جائیں تاکہ درس گاہ سے نکل کر وہ پیشہ ور واعظ، یا کرایہ کے امام، یا دنیا طلب درویش نہ بن جائیں اور نہ دوسرے طریقوں سے حرام خوری کرکے علم کو ذلیل کریں۔ بلکہ بزرگان سلف کی طرح عزت کے ساتھ اپنے دست و بازو کی کمائی کھائیں اور جو کچھ وقت کسب معاش سے بچے اس کو دین کی خدمت میں صرف کریں۔

ہندوستان کے ۸ کروڑ مسلمانوں میں سے اس قسم کے تیس چالیس نوجوانوں کا فراہم ہوجانا

کچھ مشکل نہیں، چار پانچ ایسے صالح علماء کا میسر آجانا بھی آسان نہیں تو دشوار بھی نہیں، اور اس مدرسے کا خرچ چلانے کے لئے دو ڈھائی ہزار روپے مہینہ کا انتظام کرنا بھی محالات سے نہیں ہے، خصوصاً حیدرآباد میں اس کو محال کہنا تو کفران نعمت ہے، مگر ضرورت صرف ایک چیز کی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس کام کو ایسے لوگ اپنے ہاتھ میں لیں جن کا خلوص بھی مسلّم ہو اور دیانت بھی محل شک میں نہ ہو، اور جو کام کو کام کے لئے کرنا چاہتے ہوں نہ کہ کسی اور چیز کے لئے۔

یہ ایک ایسی تجویز ہے جو اگر اپنی حقیقی شان کے ساتھ عالم واقعہ میں آجائے تو یقیناً مسلمانوں کی قوم پر ایک انقلاب انگیز اثر مترتب ہوگا۔ مسلمانوں کی تمام تحریکیں صرف اس وجہ سے بے جان ہیں کہ ان میں رجال کی قلت ہے۔ کہیں اتفاق سے کوئی بندہ خدا ایک اچھا دل و دماغ اور ایک سچا جذبۂ عمل لے کر پیدا ہو جاتا ہے اور اس کو حالات کی مساعدت بھی میسر آجاتی ہے، تو اس کے اثر سے کچھ دن کے لئے مسلمانوں میں ایک حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر وہ حرکت صرف اس کی زندگی تک رہتی ہے اور ادھر اس کی آنکھ بند ہوئی ادھر اس کا کام بھی بند ہوا۔ اس کی اصلی علت یہی ہے کہ ہمارے رہنماؤں کو کام کے آدمی بنانے اور مردان کار مہیا کرنے کی اہمیت کا احساس نہیں ہے۔ وہ اپنی تمام قوت اپنے مقصد کو عملی جامہ پہنانے میں صرف کر دیتے ہیں، اور یہ فکر نہیں کرتے کہ اس کام کو آئندہ بھی چلانے کے لئے آدمی فراہم ہونے چاہئیں تاکہ کام کی زندگی شخص واحد کی زندگی کے ساتھ ختم نہ ہو جائے۔ اس کمی کو پورا کرنے کی سخت ضرورت ہے، اور اس کی تدبیروں میں سے ایک اہم تدبیر وہ ہے جو ابھی اوپر بیان کی گئی ہے۔ اگر ایک ایسی اعلیٰ درجہ کی درس گاہ اور تربیت گاہ قائم کر دی جائے جس سے صحیح علم اور بلند سیرت رکھنے والے تیس چالیس نوجوانوں کی ایک جماعت ہر دوسرے تیسرے سال نکلتی رہے، تو ایک قلیل مدت میں مسلمانوں کے اندر وہ قحط الرجال باقی نہ رہے گا جس کی بدولت آج کل ان کی قومی تحریکوں پر مردنی چھائی ہوئی ہے۔

"ترجمان القرآن" کی پچھلی چند اشاعتوں میں میں نے ایک مضمون تعلیم القرآن کی ضرورت پر لکھا تھا۔ جو غلطی سے "اصول اخلاق وسیاست وقانون" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس میں گفتگو کرتے ہوئے میں نے اس مسئلہ سے بھی بحث کی تھی کہ اسلام میں جتنے فرقے پیدا ہوئے ہیں وہ سب کتاب وسنت پر اپنی بنیاد رکھتے ہیں! اس وجہ سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ کتاب وسنت ہی اختلاف کا سرچشمہ ہے، اور اسی وجہ سے ہماری مذہبی تعلیم میں کتاب وسنت سے اعراض کرکے زیادہ تر زور فقہ اصول اور کلام کی کتابوں پر دیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ کتاب وسنت وحدت واتفاق کا سرچشمہ ہے اور اختلاف کا سرچشمہ خود ہمارے شرور نفس اور خود ہماری اپنی جہالت میں ہے! اس لئے اختلاف کے فتنے کو مٹانے یا کم از کم ضعیف کردینے کیلئے کتاب وسنت کی تعلیم سے اعراض کرنا نہیں بلکہ زیادہ تر اسی پر زور دینا ضروری ہے، اس سلسلہ میں میں نے لکھا تھا کہ:-

دین میں اصل فتنہ اختلاف کا فتنہ نہیں، تشیّع وتحزّب اور تعصب کا فتنہ ہے۔ ہر گروہ کا صرف اپنے مذہب، اپنے مسلک اور اپنی منہاج کو اصل دین اور ایک ہی صراط مستقیم قرار دینا، دوسرے گروہوں کو خارج از دین اور گم کردہ راہ سمجھنا، اسلامی عصبیت کو چھوڑ کر فریقانہ عصبیت اختیار کرنا، آپس میں عداوت اور ایک دوسرے سے نزاع رکھنا، یہی اصلی فتنہ ہے، اسی کو قرآن نے تفرق فی الدین سے تعبیر کیا ہے، یہی وہ چیز ہے جس سے بچنے کی قرآن میں بار بار تاکید کی گئی ہے اور اس کے متعلق فرمایا ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوا دینھم وکانوا شیعًا لست منھم فی شی (۶ : ۲۰) جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے۔ اے محمدؐ! تمہیں ان سے کوئی واسطہ نہیں"

آگے چل کر پھر لکھا تھا۔

طریقوں کے اختلاف سے ڈر کر نفس قرآن کو جو اصل دین ہے چھوڑ بیٹھنا اور اس سے غفلت برتنا کوئی عقلمندی نہیں ہے، قرآن کے مطالعہ سے جزئیات و فروع میں تاویل وتعبیر کے اختلافات تو ضرور پیدا ہوں گے مگر کلیات و اصول جن پر دین کا مدار ہے لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہو جائیں گے۔ اور وہ جس قدر زیادہ جاگزیں ہوں گے اسی قدر تفرق فی الدین اور تحزب اور تشیّع کا قلع قمع ہو گا۔"

بات بالکل صاف تھی۔ مگر اس سے میرے ایک شیعہ بھائی کو عجیب غلط فہمی پیدا ہو گئی۔ وہ اپنے ایک عنایت نامہ میں مجھ کو لکھتے ہیں:۔

"آپ نے اس مضمون میں (۱) تشیّع کو اختلاف سے بڑھ چڑھ کر فتنہ اور قابل حذر ظاہر فرمایا ہے۔ (۲) شیعوں کی تکفیر کے قائل ہوئے ہیں۔ (۳) اور ان کے قلع و قمع کے لئے جمہور کو برانگیختہ کیا ہے۔

یہ ساری غلط فہمی صرف ایک لفظ تشیّع کے معنی و محل استعمال پر غور نہ کرنے سے پیدا ہوئی ہے۔ میرے بھائی نے تشیّع سے وہ اصطلاحی شیعیت مراد لے لی ہے جس کا اطلاق شیعان علیؑ کے مذہب پر ہوتا ہے۔ حالانکہ اگر وہ پوری عبارت کو پڑھ لیتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ یہ لفظ اس مخصوص اصطلاحی معنی میں نہ وہاں استعمال ہوا ہے اور نہ اس عبارت میں اس کے یہ معنی کسی طرح ہو سکتے ہیں۔ لکھنے والے نے تو اس کو قرآن سے اخذ کیا ہے اور وہ آیت بھی درج کر دی ہے جس سے یہ لفظ ماخوذ ہے، اور اس کے ساتھ دوسرے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں جو اس کے مطلب و مفہوم پر روشنی ڈالتے ہیں یعنی تحزّب اور تعصّب، اور تفرق فی الدین۔ لغت عرب میں شیعہ کہتے ہیں گروہ اور فرقہ کو اور اسی معنی میں یہ لفظ قرآن مجید میں آیا ہے، چنانچہ سورۂ مریم کے پانچویں رکوع

میں ہے۔ ثُمَّ لننزعن من کُلِّ شیعۃٍ ایُّھم اشدُّ علی الرحمان عتیًّا۔ پھر ہم ہر گروہ میں سے کچھ لوگوں کو الگ نکال لیں گے۔ تاکہ ہم دیکھیں کہ کون لوگ خدائے رحمان سے سرکشی کرنے میں زیادہ شدید تھے۔ سورہ قصص کے دوسرے رکوع میں ہے فوجد فیھا رجلین یقتتلان ھٰذا مِن شیعتِہٖ وھٰذا من عدوّہٖ۔ وہاں اس نے دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے پایا ایک اس کے اپنے گروہ سے تھا اور دوسرا دشمن گروہ سے۔ اسی لفظ شیعہ کی جمع شِیَع ہے اور یہ لفظ بھی اسی معنی میں قرآن کے اندر آیا ہے سورۂ الحجر کے پہلے رکوع میں ہے ولقد ارسلنا من قبلك فی شیع الاولین۔ ہم نے تم سے پہلے گذشتہ قوموں میں بھی رسول بھیجے تھے۔ سورۂ انعام کے آٹھویں رکوع میں ہے۔ اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَّ یُذِیْقَ بعضکم باسَ بعض۔ یا تم کو گروہ گروہ کرکے آپس کی لڑائی کا مزا چکھائے سورہ قصص کے پہلے رکوع میں ہے۔ اِنَّ فرعَونَ علا فی الارض وجعل اھلھا شیعًا۔ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں بانٹ دیا۔ سورہ رُوم کے چوتھے رکوع میں ہے ولا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینھم وکانوا شِیَعًا۔ کُلُّ حزبٍ بما لدیھم فرِحون تم ان مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ جنھوں نے اپنے دین کے ٹکڑے کر دیے اور مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے اسی میں وہ مگن ہے۔

اسی مادہ سے لفظ تشیُّع نکلا ہے جس کے معنی ہیں متفرق اور پراگندہ ہو جانے کے۔ چنانچہ عرب کا محاورہ ہے قطرت قطرۃ من اللبن فی الماء فتشیّع فیہ ای تفرّق۔ اس تشیُّع کو اس تشیُّع سے کیا واسطہ۔ جو نزول قرآن کے کئی برس بعد ایک مخصوص اصطلاح بنا ہے۔ کم از کم اتنا تو معترض کو بھی معلوم ہے کہ قرآن میں یہ لفظ کہیں بھی اس اصطلاحی معنی میں مستعمل نہیں ہوا ہے۔

پھر میرے بھائی نے اتنا تو غور کیا ہوتا کہ ایک شخص جس عبارت میں سرے سے فرقہ وارانہ عصبیت کی مخالفت کر رہا ہے کہہ رہا ہے کہ جزئی و فروعی اختلافات کو اصلی اور بنیادی اختلاف نہ بناؤ، آپس کی تکفیر اور مختلف فرقوں کے ایک دوسرے کو گمراہ اور خارج از دین قرار دینے کو فتنے سے تعبیر کر رہا ہے۔ جو تفرقہ کے فتنہ کا قلع قمع کرنے کی دعوت دے رہا ہے اور قرآن مجید کے پیش کئے ہوئے اصول پر متحد ہو جانے کے لئے بلا رہا ہے اس کی اس عبارت اور ٹھیک اسی عبارت میں اسلام کے ایک بڑے فرقہ کی تکفیر اور اس کے قلع قمع کے لئے جمہور کو برانگیختہ کرنے کا آخر کونسا محل تھا۔ اگر لکھنے والے نے درحقیقت اس مضمون کے ان جملوں میں جو اوپر نقل کئے گئے ہیں کسی گروہ مسلمین کی تکفیر کی ہوتی اور اس کے قلع قمع کے لئے جمہور کو برانگیختہ کیا ہوتا، تو ایک عقلمند کا کام یہ نہ تھا کہ اس کو سمجھانے کی کوشش کرتا، بلکہ اس کا کام تو یہ تھا کہ مقامی پولیس کو ایک خطرناک پاگل کے ظاہر ہونے کی اطلاع دیتا۔

ان عزیز نے مجھے اسلامی فرقوں کے اختلاف کی اصل سمجھانے کی بھی کوشش فرمائی ہے جس کے لئے میں ان کا شکر گذار ہوں۔ میں نے بھی تھوڑا بہت اسلامی فرقون کے اصول اور اختلاف کی بدایت و نہایت کے متعلق پڑھا ہے مگر کبھی اس نیت سے نہیں پڑھا کہ کسی فرقہ کی تردید اور کسی فرقہ کی تائید کے لئے دلائل حاصل کروں بلکہ محض تحقیق اور ایک کلمۂ سواء کی تلاش کے لئے پڑھا ہے۔ میرے پیش نظر کبھی سنیت اور شیعیت حنفیت اور وہابیت کا سوال نہیں رہا۔ میں ہمیشہ اصل اسلام کی جستجو میں رہا ہوں اور میری غایت تمنا یہ ہے کہ اللہ بس اصل اسلام کی خدمت میں میری ساری قوت صرف فرما دے اور اس قوت کا کوئی حصہ فرقوں اور گروہوں کی باہمی نزاعات میں صرف ہونے کے لئے باقی نہ رہنے دے۔